اُسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں

# کارکن کے اوصاف

حافظ حبیب اللہ

ایم اے اسلامیات

ایم اے عربی

ادارہ تخلیقات طلبہ اسلام آباد

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں


| | |
|---|---|
| نام کتاب | کارکن کے اوصاف |
| تعداد | 2200 |
| ایڈیشن نمبر | 6 |
| مؤلف | حافظ حبیب اللہ، ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی |
| سن اشاعت | 2024 |
| ناشر | ادارہ تخلیقات طلبہ راولپنڈی |
| باہتمام | الفاروق پرنٹنگ پریس کراچی |
| | 0315-2929973 |

# پیش لفظ

جیسے کائنات میں ہر قسم کے نظریات کے فروغ اور ترویج کے لیے مختلف طبقہ ہائے فکر کام کر رہے ہیں ویسے ہی مسلم امہ میں بھی اسلام کی عالمگیریت کی بناء پر اہل اسلام کے مختلف طبقات اپنی سوچ، فکر اور طریقہ کار کی بنیاد پر اپنی استطاعت کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

کسی بھی اسلامی نظریاتی گروہ کو اپنی منزل کے حصول کے لئے دوسرے امور کے مقابلہ میں منظّم جدوجہد کی جتنی ضرورت ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن موجودہ دور میں جو طبقہ مشن رسالت ﷺ یعنی غلبہ اسلام کے مشن کی عظیم جدوجہد کا دعویدار ہے اس کے لئے منظّم جدوجہد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ غلبہ اسلام کے مشن کی بنیاد رسول ﷺ نے خود ڈالی اور صحابہ کرامؓ نے اس مشن پر ایک کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ آج غلبہ اسلام کی جدوجہد کے حامل طبقات کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہر قدم پر اس مشن کی حامل سب سے پہلی جماعت کے کارکنان کے اسوہ اور سیرت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے نقوش تابندہ کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں۔ جہاں غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے طبقات کے لئے جماعت رسالت مآب ﷺ کے لائحہ عمل کا ہر پہلو رہبر و رہنما ہے وہاں اس جماعت کے کے کارکنان یعنی صحابہ کرامؓ کے اوصاف، اخلاق و سیرت اور اسوہ و کردار ہر لحظہ کامرانی اور حصول منزل کی نوید ہے۔

غلبہ اسلام کے عظیم مشن کی علمبردار سب سے پہلی کامیاب ترین جماعت کے کارکنان یعنی صحابہ کرامؓ کے وہ اوصاف و کمالات جو انہیں اوج کمال تک پہنچا گئے ان کا مطالعاتی ذوق اور ان کے مطابق اپنی زندگی کی جانچ پرکھ اس پرفتن دور میں غلبہ اسلام کے نبوی مقصد کے حصول کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر محترم و مکرم جناب حافظ حبیب اللہ (ایم۔اے اسلامیات، عربی) کی جانب سے تحریر کردہ پر مغز مجموعہ کتاب ''اُسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں کارکن کے اوصاف'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد آپ کے لئے اس کی افادیت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا۔ اس لیے ہم کتاب کی اہمیت کے حوالہ سے مزید کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ البتہ آخر میں اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس اہم ترین کتاب کی اشاعت کی توفیق اللہ پاک نے عطا کی۔ اس پر ہم اللہ رب العزت کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام احباب کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اللہ ہم سب کو خیر کہنے، پھیلانے اور اس کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

والسلام

ادارہ تخلیقات طلبہ

# کارکن کون؟

## Who is worker?

کارکن فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے'' کام کرنے والا'' انگریزی زبان میں اس کے لئے لفظ (Worker) استعمال ہوتا ہے۔ اس لغوی تشریح سے ہی ظاہر ہے کہ کارکن کہتے ہی اس کو ہیں جو کام کرنے والا ہو۔ لہٰذا تنظیموں اور تحریکوں سے تعلق رکھنے والے وہی لوگ کارکن کہلانے کے قابل ہیں جو اس تحریک یا تنظیم کے لیے کام کرتے ہوں۔ جو لوگ کام کرنے سے جان چھڑاتے ہوں اور پھر بھی کارکن کہلانے پر مصر ہوں وہ کسی طور پر کارکن کہلانے کے حقدار نہیں کارکن ہی کسی تنظیم کی پہچان اور اثاثہ ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح درخت کی پہچان اس کے پھل سے ہوتی ہی اسی طرح کسی تنظیم کے بارتے میں جاننا چاہیں کہ اس کی معاشرتی، اخلاقی اور تربیتی پوزیشن کیا ہے تو لامحالہ اس کے کارکن سے ہی اندازہ ہوگا کہ تنظیم کھوکھلے نعرہ بازوں کا مجموعہ ہے یا واقعی منظّم، متحرک اور فعال جماعت ہے۔ کارکن کی اہمیت اگر ہم تاریخی لحاظ سے دیکھنا چاہیں تو آپ ﷺ کے اعلان بعثت کے بعد آپ ﷺ کی دعوت پر ایمان لانے والا ہر صحابی ♦ کارکن تھا۔ اور صحابہؓ کی قدسی جماعت اس دھرتی کی سب سے پہلی منظر فعال، نظریاتی اور متحرک جماعت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے اس جماعت کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے "**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**" میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے۔ ایک اسلامی، مذہبی اور دینی تنظیم کے کارکن ہونے کے دعویداروں کے لئے اس سے بڑھ کر مکمل نمونہ کسی اور جماعت میں نہیں مل سکتا۔ حضور اقدس ﷺ کی دعوت کا دنیا میں پھیلنا، اسلام کا عرب کی سرحدوں سے نکل کر عجم پر چھا جانا صحابہ کرامؓ کی لازوال محنت اور قربانیوں کی بدولت ممکن ہوسکا۔ لہٰذا آج ہم اگر کامیابی چاہتے ہیں تو اپنے اندر وہی صفات اور اخلاق پیدا کرنا ہوں گے جو صحابہ کرامؓ میں پائی جاتی تھیں۔ کیسی پاکیزہ کردار کی مالک تھیں وہ ہستیاں جن کے حسن کردار، اعلیٰ اخلاق اور اخلاص کے باعث اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اخروی کامرانی وفلاح کی سند عطا کی اور جن کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے بھیجے۔

# کارکن کے اوصاف

## (Characteristic of worker)

ایک اسلامی تنظیم کے کارکن میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ جو صحابہ کرامؓ میں پائی جاتی تھیں۔ وہی صفات، وہی خوبیاں اور اخلاق جن کے دشمن بھی معترف ہیں بلاشبہ اسلام کے پھیلنے، خلافت اسلامی کے قیام اور غلبہ اسلام کی جدوجہد میں صحابہ کرامؓ کا کردار نا قابل فراموش ہے۔ یہ دنیا کی پہلی منظم جماعت ہے جس نے پیغمبر اسلام کی تعلیمات کو اوڑھنا بچھونا بنا کر بے پناہ قربانیوں، مسلسل جدوجہد اور اخلاص کے ذریعے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو گھٹنے ٹیکنے اور ٹکڑوں میں بکھرنے پر مجبور کیا۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں صحابہ کرامؓ کی کامیابی آج کے دور میں غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت پر جب ہم نگاہ دوڑاتے ہیں تو جو صفات ان کی زندگی میں نمایاں تھیں اور بالیقین ان کا خاصہ تھیں ذیل میں ان اوصاف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ غلبہ اسلام کے عظیم مشن کے حامل کارکنوں کے لئے یہ اوصاف مشعل راہ ہیں آیئے کے ان روشن ستاروں کے نقش قدم پر چل کر اپنی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مدد حاصل کریں۔

# نظریے سے آگاہی

## (Awareness of ideology)

کارکن کی پہلی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے مشن اور نظریے سے مکمل طور پر واقف ہو وہ یہ جانتا ہو کہ جس مقصد کے لیے وہ کسی جماعت میں شامل ہوا ہے وہ مقصد کیا ہے؟ نظریاتی کارکن کی اس خوبی کی بنیاد پر اس کا اپنے نظریے پر پختہ رہنا ممکن ہوتا ہے۔ ورنہ نظریاتی طور پر کمزور اور نابلد کارکن کسی ایک نظریے، مشن اور تنظیم کے ساتھ وابستگی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ کارکن بنیادی طور پر اپنے مشن کا داعی ہوتا ہے اور کسی مشن یا نظریے کی طرف دعوت دینا تب ہی ممکن ہے جب اس سے مکمل آگاہی ہو۔ ایک ایسا شخص جس کو خود اپنی تنظیم یا جماعت کے نظریے سے واقفیت نہ ہو وہ دوسروں کو کیا دعوت دے گا؟

صحابہ کرامؓ کی سیرت میں یہ چیزیں سب سے نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ ایک تو جو شخص حضور اقدس ﷺ یا آپ ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی کی دعوت پر ایمان لاتا تو فوراً داعی حق بن کر اسلام کی دعوت پھیلانے کا کام کرنے لگ جاتا اور ساتھ ہی حضور اقدس ﷺ کی خدمت عالیہ میں رہ کر توحید و

رسالت ﷺ کا اور احکامات الٰہیہ کا درس لیتا تا کہ اسلام کی دعوت سے آگاہی حاصل ہو۔صحبت نبوی ﷺ کے طفیل صحابہ کرامؓ کا نظریہ پختہ تر ہوتا جاتا تو دوسری طرف مسلسل حصول علم اور تعلیم کے شوق کے سبب نظریاتی طور پر اسلام کو سمجھنے میں آسانی ہوتی۔

ظاہر ہے آج کے دور میں غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے حضور اقدس ﷺ کی صحبت سے تو مستفید نہیں ہو سکتے پھر آج نظریے سے آگاہی کے لیے کیا طریقے اور ذرائع اختیار کیے جائیں؟ اسی کے ضمن میں نظریہ سے آگاہی حاصل کرنے کے چند ذرائع پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

## (الف: مطالعہ، study)

نظریے سے آگاہی کے لیے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن و سنت سے اس قدر آگاہی کہ فرائض و واجبات کا بخوبی علم ہو جائے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔اس کے علاوہ ایک دینی کارکن کے لیے کم از کم اس قدر لٹریچر کا مطالعہ لازمی ہے جس سے اسے علم ہو کہ جس مشن اور نظریے کا وہ حامل ہے اس کی بنیاد کیا ہے؟ غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکن کو نظریاتی طور پر اپنی دعوت کا مکمل دلائل کے ساتھ یاد ہونا ضروری ہے۔اور یہ کام بھی یا تو کتب کے مطالعہ سے ہوگا یا پھر اسی طرح کے دیگر ذرائع سے۔غلبہ اسلام کی منظّم جدوجہد کرنے والے کارکن کے لئے تنظیم نے نصاب کے طور پر جن کتب کا انتخاب کیا ہے وہ نہ صرف ہماری دعوت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے بلکہ ایک مسلم نوجوان کی ذہنی و فکری نظریہ سازی کے لئے بھی مفید ہے۔کارکن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نصاب کا مطالعہ کرے اور اپنی نجی ملاقاتوں میں اپنے نظریہ کی دعوت پھیلانے کے لئے اس مطالعہ سے مدد لے۔کتب کے مطالعہ کے علاوہ اس سلسلے میں مختلف سکالرز اور علماء کی تقاریر کی کیسٹوں اور سی ڈیز کو سننے اور دیکھنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اکثر اوقات ہم ایک آدھ کتاب پڑھ کر یا کیسٹ سن کر ''داعی'' بن جاتے ہیں ایسا ممکن نہیں مشن اور نظریے سے مکمل آگاہی کے لیے ''نصاب'' کی تکمیل کے علاوہ بھی مسلسل مطالعہ کی ضرورت ہے بعض دفعہ داعی اور کارکن کا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ سکتا ہے جو اپنے وسعت مطالعہ کے سبب بحث و مباحثہ پر اتر آئیں ایسے میں آپ کا دلائل اور مضبوط و پختہ نظریات کا حامل ہونا ضروری ہے۔

# (ب: تربیتی ودعوتی پروگرامات)

## (Training & Teaching Programmes)

مشن اورنظریے سے آگاہی کے لیے دوسرا اہم ذریعہ وہ پروگرامات ہیں جو تنظیم کی طرف سے مختلف مواقع پر منعقد کرائے جاتے ہیں ایسے بامقصد تربیتی ودعوتی پروگرامات اورنشستوں میں شرکت کارکن کے نظریے سے وابستگی، آگاہی اور پختگی کا سبب بنتی ہے۔کارکن جب ان پروگراموں میں شریک ہوتا ہے تو اسے کوئی نہ کوئی بات ایسی ملتی ہے جس سے پہلے وہ آگاہ نہ تھا اس صورت میں یہ پروگرامات علم میں اضافہ کا ذریعہ ثابت ہوں گے جب کہ اگر بار بار ایک ہی طرح کی بات بھی دہرائی جاتی ہو تب بھی فائدے سے خالی نہیں کہ عربی میں مقولہ ہے "اذا تکرر تقرر" جو بات دہرائی جاتی ہے وہ پختہ ہوتی ہے۔

اسوۂ صحابہ کرامؓ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ باقاعدہ گروہ اور مجموعہ کی شکل میں قرآن وحدیث اوراحکامات الٰہیہ کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی مثال سب کے سامنے ہے۔اس چبوترے تلے دنیا کے سب سے بڑے معلم کا درس اور خطاب سننے کے لیے صحابہ کرامؓ گھربار، کاروبار، سب کچھ چھوڑ کر جمع رہتے تھے۔تاریخ گواہ ہے کہ جب اسلام پھیلا اور عرب وعجم میں دین الٰہی کو غلبہ حاصل ہوا تو صفہ کی درس گاہ کے یہی طلبہ مصروشام، عراق وفارس کی درس گاہوں کے معلم بن کر سامنے آئے۔صفہ کی اس عظیم درس گاہ میں نا صرف قرآن کی تعلیم وتبلیغ بلکہ صحابہ کرامؓ یہاں سے نظم وضبط، اخلاق وایثار اور اخوت ومساوات کی عملی تربیت حاصل کرتے۔اوراسی تربیت نے ہی عرب وعجم میں غلبہ اسلام کی جدوجہد کو عملی جامہ پہنایا۔

# (ج) دعوت (Preaching)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ کارکن بنیادی طور پر داعی ہوتا ہے غلبہ اسلام کے مشن کی دعوت دینا بذات خود ایک فریضہ ہے لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دعوت دینے کے عمل سے خود داعی کی نظریے سے آگاہی اور وابستگی میں پختگی آجاتی ہے۔جب مشن اورنظریے سے کارکن خود آگاہ ہوگا تو دعوت دینا بھی آسان ہوگا۔لہٰذا دعوت کے لئے مشن سے آگاہی لازمی اور مشن سے آگاہی کے لیے دعوت کا عمل فائدہ مند ہے۔

تمام انبیائے کرامؑ داعی تھے جنہوں نے اپنے مخصوص وقت میں اپنی امتوں کو جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے اللہ کی طرف دعوت دی۔ یہاں تک کہ خاتم المرسلین ﷺ آخری نبی ﷺ بن کر تشریف

لائے تو آپ ﷺ کی نبوت کے صدقے دعوت کا کام آپ ﷺ کی امت کے سپرد ہوا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی فلاح) کے لیے نکالے گئے ہو تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور منع کرتے ہو برائی سے'' نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا ہی دراصل داعی کا کام ہے۔ حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے'' مجھ سے ملنے والی ہر بات کی تبلیغ و اشاعت کرو چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو (الحدیث)'' صحابہ کرامؓ اس ارشاد نبوی ﷺ کی عملی تفسیر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بالغ مردوں میں ایمان لانے والے پہلے فرد تھے۔ ایمان لانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ داعی بن کر نکلے اور قریش مکہ کے کئی اہم نامور افراد ان کی دعوت پر اسلام لائے جن میں سے پانچ کبار صحابہؓ بھی ایمان لائے جو عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔ صرف یہی نہیں ہر ایمان لانے والا داعی بن کر اسلام کو پھیلانے کے لیے جدوجہد کرتا۔ اسوۂ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ بیعت عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے **12** مرد و عورتیں اسلام لائے تو آپ ﷺ نے ان سب کو داعی بنا کر مدینہ بھیجا ان کی محنت سے اگلے سال **72** مرد و عورتیں مسلمان ہوئے۔ اسی طرح دعوت کا سلسلہ چل نکلا بلکہ انصار دعوت کے کام کی بدولت ہی دین اسلام کے پختہ سپاہی بنے۔

تاریخ کے دامن میں ایک کم سن داعی کا واقعہ بھی محفوظ ہے جن کو اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں آپ ﷺ نے اپنا نمائندہ اور اسلام کا داعی بنا کر مدینہ بھیجا یہ مصعب بن عمیرؓ تھے جب یہ مدینہ آئے تو ہر طرف شرک اور بت پرستی عام تھی چند نفوس قدسیہ ہی ایمان لائے تھے آپ نے اس قدر محنت اور کوشش کی کہ باوجود نوعمر ہونے کے صرف کچھ عرصے کی محنت کے نتیجے میں مدینہ کی فضا اس قدر ہموار ہوگئی کہ بہت جلد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے جب اس شہر کی طرف ہجرت فرمائی تو کئی افراد آپ ﷺ کو خوش آمدید کہنے کے لیے چشم براہ تھے۔ اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں ایک نوعمر صحابی کو داعی بنا کر ایک ایسے شہر میں بھیجنا کہ جہاں کے لوگوں اور ماحول سے واقفیت نہ وہاں کوئی مضبوط سہارا اور ٹھکانہ۔ یہ عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دعوت کا عمل بھی نظریے سے آگاہی اور نظریے کی پختگی کا ذریعہ ہے۔ ورنہ کسی بڑے صحابی سے یہ کام لیا جا سکتا تھا۔ مصعب بن عمیرؓ کا انتخاب ان کی ذاتی تربیت اور نظریہ سازی کے لیے اہم تھا۔

## (اخلاص وللّٰہیت)

## (devotion and fidelity)

نظریے سے ہم آہنگی، آگاہی اور پختگی کے بعد کارکن عمل کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ''**انما الاعمال بالنیات**'' اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ کارکن کا ہر عمل خالصتاً اللہ کے

لیے ہو اس میں کسی دنیاوی مفاد اور خواہش کا شائبہ تک نہ ہو۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں شامل کارکن کو یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لینی چاہیے کہ جب تک اس کے عمل میں اخلاص وللّٰہیت نہ ہوگی نہ تو اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور نہ ہی مخلوق میں اپنا مقام بنایا جا سکے گا۔ انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے شیطان اس کو ورغلانے کے لیے تیار بیٹھا ہوتا ہے سب سے زیادہ نقصان میں وہ لوگ ہوں گے جو بظاہر نیکی کا کام بڑھ چڑھ کر رہے ہوں گے مگر اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کے ہاں اجر سے محروم رہیں گے۔ جہاں اخلاص نہ ہو گا ریا کاری یا مفادات پیش نظر ہوں گے ظاہر ہے اس سورۃ میں نقصان ہی نقصان ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اخلاص وللّٰہیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں۔ دنیا کی ہر آسائش، سہولت اور رعایت کو ٹھکرا کر صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر اپنی زندگی کے شب و روز، معاملات، رشتہ داریاں اور تجارت سرانجام دینا صحابہ کرامؓ کا ہی شیوہ تھا۔ حضور ﷺ کی صحبت یافتہ اس مقدس جماعت کے بارے میں خود اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ان کے قلب کا امتحان لیا'' ظاہر ہے دل میں خوف الٰہی اور اخلاص ہی کو جونچا گیا اور پھر اس امتحان کا نتیجہ یہ بیان فرمایا'' ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے'' تو یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اخلاص اس درجہ کا تھا کہ اللہ نے اس کا جانچ کر اس پر مغفرت کا اعلان کیا۔ یہ صحابہ کرامؓ کے اخلاص ہی کا نتیجہ تھا کہ اس وقت کی سپر پاور طاقتیں ان بے سروسامان لشکروں کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی اور ایسے محیر العقول واقعات ان کے ہاتھوں پیش آئے کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت عمرؓ حضور اقدس ﷺ کی مقدس جماعت کے ایک نمایاں کارکن تھے بعد میں اللہ نے آپؓ کو خلیفہ اور امیر المومنین بننے کا موقع بھی فراہم کیا۔ آپ کے واقعات تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ عالم میں سنہری حروف سے رقم ہیں۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو ایک عام انسان کو جو سادگی اور انکساری کا نمونہ ہے اس قدر بلند مقام عطا کرنا کہ دشمن کے بڑے بڑے بادشاہ اور سپر پاور طاقتوں کے کرتا دھرتا عمر بن خطابؓ کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتے ایسا محض اخلاص کی بدولت ہی ممکن ہے۔

حضرت عمرؓ کا حکم ہوا، زمین، پانی اور آگ پر چلتا تھا۔ ایک دفعہ مدینہ میں زلزلہ آیا سیدنا عمرؓ نے زمین پر ایڑھی ماری اور فرمایا اے زمین تو کیوں ہلتی ہے کیا عمرؓ نے تجھ پر عدل قائم نہیں کیا؟ اسی وقت زمین کا زلزلہ رک گیا۔ ایک دوسرے واقعہ میں آتا ہے کہ مدینہ کے باہر ایک آگ جل نکلی اور مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک صحابیؓ کو حکم دیا آگ کو پیچھے دھکیل دو۔ اس صحابیؓ نے چادر کو کوڑا بنا کر اس آگ کی طرف مارنا شروع کر دیا۔ آگ ہٹتے ہٹتے ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ان واقعات کے پیچھے صرف اور صرف حضرت عمرؓ کا اخلاص کارفرما تھا یہ ان کا اخلاص تھا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو یہ انعامات عطا فرمائے تھے۔

غلبہ اسلام کی جدوجہد میں شامل کارکنوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر آج بھی اخلاص وللّٰہیت اپنے اندر پیدا کریں اللہ کی نصرت قدم قدم پر ہمارا ساتھ دے گی۔ جب کہ اللہ کی مدد اور نصرت کے حصول کے لیے اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرنا پہلی اور اہم شرط ہے۔ ذاتی انا، شخصیت پرستی، مفاد پرستی، عہدہ پرستی، ریاکاری اور شہرت جیسے ناسوروں کو نکال پھینک کر اخلاص وللّٰہیت اپنے اندر پیدا کریں انشاء اللہ نصرت الٰہیہ ہر جگہ پر معاون و مددگار ہوگی۔

## (نظم وضبط)

## (Discipline)

نظریے سے آگاہی، عمل میں اخلاص کے بعد جب ہم مشن اور نظریے کا کام کرنا شروع کرتے ہیں تو کامیابی کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہے نظم وضبط۔ نظم وضبط سے مراد ہے کام ایک منظّم اور مربوط انداز میں کیا جائے۔ بنیادی طور پر تحریک یا تنظیم چند افراد کے مجموعے کا نام ہے جہاں چند افراد جمع ہوں تو وہاں کام کرنے والے کئی ہوں گے ایسی صورت میں اگر کام منظّم انداز میں نہ کیا جائے تو نتیجہ کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔

دنیا کا چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑے سے بڑا کام نظم وضبط ہر جگہ ضروری ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام میں ایک نظم رکھا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ کسی بھی سطح کے کام میں نظم و ضبط ضروری ہے۔ سورج، چاند، موسم، دن، رات سب اپنے اپنے وقت پر آتے جاتے اور حرکت کرتے ہیں کوئی کسی کے کام میں مداخلت کرتا ہے نہ کوئی کسی کے آگے پیچھے ہوتا ہے سب کچھ اپنے وقت پر ہونا ثابت کرتا ہے کہ ان کو ایک نظام کے تحت منظّم اور مربوط کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں نظم وضبط صرف انسانوں کا خاصہ نہیں بلکہ جانور اور حشرات بھی نظم وضبط کا خیال رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں شہد کی مکھیوں کی مثال دی جاتی ہے۔ شہد کی مکھیوں کا چھتہ ایک چھوٹی سی مملکت (State) کی طرح ہے اس مملکت کی ایک ملکہ ہے جس کے ماتحت تمام کارکن مکھیاں اپنے کام سرانجام دیتی ہیں۔ حفاظتی فورس، چھتہ کی تعمیر کرنے والی اور رس چوسنے سے لے کر انڈے دینے والی تمام کارکن مکھیاں اپنا اپنا کام ایک نظم کے تحت کرتی ہیں۔ ان میں سے کوئی مکھی اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے میں سستی کرتی ہے نہ دوسرے کے کام میں مداخلت ہر ایک اپنا کام کرتی ہے تب کہیں جا کر انسان کو ان معمولی سی مکھیوں کی محنت کا ثمرہ ''شہد'' جیسی غذا کی شکل میں ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا انسان کو کائنات میں غور کرنے کی جو دعوت دی ہے اس کا یہی

مقصد ہے کہ انسان غور وفکر کرے گا تو اس کو ہر چیز سے کوئی نہ کوئی سبق ملے گا۔اس مثال میں بھی غلبہ اسلام کے متمنی کارکنوں کے لیے سبق ہے کہ اگر وہ مقصد میں کامیابی چاہتے ہیں تو اپنی محنت کو منظم انداز میں آگے بڑھائیں۔

صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ مبارکہ میں ہمیں نظم وضبط کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔اسلام کی ابتدائی تاریخ پر غور کریں تو ایک طرف مسلمانوں کی تعداد کی قلت دوسری طرف غربت اور تیسری طرف دشمن کا زور ایسے حالات میں غلبہ اسلام کی جدوجہد اگر نظم وضبط سے خالی ہوتی تو نتائج مختلف ہوتے۔چنانچہ جوں جوں لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوتے گئے ان کو ایک منظم جماعت کی شکل دی جاتی رہی۔دعوت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے صحابہؓ مل جل کر کام کرتے۔ابتدائے اسلام میں دارا رقم میں صحابہ کرامؓ کا روزانہ اجتماع ہوتا یہ اجتماع ایک تربیت گاہ تھی جہاں تعلیم،حکمت،تربیت اخلاق اور تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ نظریاتی تربیت ہوا کرتی تھی۔اسی تربیت گاہ میں وہ صحابہؓ بھی تشریف لاتے جو مالی طور پر کچھ مستحکم تھے جب کہ وہ بھی آتے جو غلام تھے۔جو صحابہؓ دنیاوی لحاظ سے معاشرے میں مقام و مرتبہ کے مالک تھے وہ کمزور اور غلام اہل ایمان کی پشت پناہی کرتے۔پھر ہجرت حبشہ سے ہجرت مدینہ تک کے مراحل اور بعد کے جہادی معرکے حتی کہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد دور خلافت میں بھی جگہ جگہ اسی قسم کا نظم وضبط نظر آتا ہے۔

میدان جہاد میں لشکر کو مقدمۃ الجیش،میمنہ،میسرہ اور قلب میں تقسیم کرنے کی مثال اسلام سے قبل نہیں ملتی یہ نظم جنگ کے معرکوں میں سب سے پہلے اسلام نے متعارف کروایا۔صحابہ کرامؓ کے نظم وضبط کے متعلق (سنن ابی داؤد کتاب الجہاد) میں ہے کہ عام طور پر یہ دستور تھا کہ سفر کی حالت میں جب کسی جگہ پڑاؤ کیا جاتا تو صحابہ کرامؓ پھیل جاتے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے۔ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تفرق اور تشتت (یعنی پھیل جانا اور منتشر ہونا) شیطان کا کام ہے تو اس کے بعد صحابہ کرامؓ سفر کے دوران کسی منزل پر اترتے تو اس قدر سمٹ کر رہتے کہ اگر ایک چادر تان لی جائے تو سب کے سب اس کے نیچے آجائیں۔ہجرت مدینہ کے بعد مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا مرحلہ ہو یا جنگ احزاب میں خندق کھودنے کا کام ہر جگہ صحابہ کرامؓ ایک منظم انداز میں کام کرتے نظر آتے ہیں۔خود حضور ﷺ نے نظم اور جماعت کی تعلیم فرمائی اور جماعت کو چھوڑنے سے سختی سے منع فرمایا۔چنانچہ حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا: "**من شذ شذفی النار**" جو جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں پڑ گیا۔کیوں کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:"**ید الله علی الجماعة**" اللہ کا ہاتھ (یعنی اللہ کی مدد) جماعت کے ساتھ ہے۔

غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکن اپنی صفوں میں نظم وضبط پیدا کریں۔نظم وضبط سے

جماعت بنے گی اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ یعنی اللہ کی مدد رہے گی جہاں کہیں دو چار احباب دعوت سے متاثر ہو کر ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں تو فوراً یونٹ سازی کر کے اپنے آپ کو جماعت سے مربوط کریں۔

قدرت نے ہر انسان میں مختلف صلاحیتیں رکھی ہیں کسی کے پاس بولنے کی سلاحیت ہوتی ہے تو کوئی لکھنے کی مہارت کا حامل ہے۔ کسی کے پاس وقت ہے تو کوئی مال و دولت سے مالا مال ہے۔ جب یہ سب لوگ مل کر کام کریں گے تو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر، کسی کا وقت اور کسی کا مال سب مل کر دعوت اور مشن کی ترویج میں کردار ادا کریں گے۔

اس کی آخری مثال یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ ٹائر، پیڈل، بریکیں، چین وغیرہ یہ چند پرزے ہیں جب تک ان کو ایک خاص ترتیب سے جوڑا نہ جائے یہ سائیکل نہیں کہلائیں گے۔ جب ان کو مخصوص انداز میں جوڑا جاتا ہے تو سائیکل بن جاتی ہے۔ اب سائیکل پر سواری کرنے کے لیے سائیکل کے مذکورہ بالا تمام پرزے اپنی جگہ جُڑے ہوں اور کام کر رہے ہوں تو سوار سائیکل کو چلا کر اس کی سواری سے فائدہ اٹھا سکے گا۔

نظم وضبط سے مراد ہے کارکنوں کو ایک منظّم جماعت کی شکل دینا۔ جب کارکن اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کریں گے تو تنظیم بنے گی اور جماعت کا قیام عمل میں آئے گا۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد آج سے چودہ سو سال قبل دور نبوی ﷺ اور دور صحابہؓ میں بھی جماعت اور نظم وضبط کے بغیر ممکن نہ تھی اور آج بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے غلبہ اسلام کی جدوجہد کے حامل کارکن اپنی صفوں کو منظّم کریں۔ تنظیم و ترتیب سے ایک ایسی جماعت تشکیل پائے گی جو منزل کے حصول کی جدوجہد کرنے کے لیے لازمی ہے۔

## اطاعت امیر

## Obedience of Command

جب چند کارکن مل کر منظّم جدوجہد کرتے ہیں تو ان میں ایک کو اپنا امیر بنایا جاتا ہے۔ سفر، حضر، جہاد حتی کہ نماز ہر جگہ امیر کا تقرر سنت نبوی ﷺ ہے۔ نماز میں امام، جہاد میں سپہ سالار اور سفر میں امیر کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے۔ امیر کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد الٰہی سے لگایا جاسکتا ہے جس میں اللہ اور رسول ﷺ کے بعد امیر کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اور تم میں سے جو اولی الامر (یعنی امیر) ہوں۔'' (سورۃ النساء: آیت نمبر ۵۹)

کارکن کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت کا پابند ہو۔ جہاں امیر حرکت کا حکم دے وہاں رکنے اور جہاں رکنے کا حکم دے حرکت کرنے سے گریز کرے۔ صحابہ کرامؓ میں اطاعت کا جو

جذبہ تھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ایک بار حضور ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک صحابیؓ مسجد میں کہیں کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہ سننا تھا کہ ایک اور صحابیؓ (جو ابھی مسجد میں داخل ہو رہے تھے) کا ایک پاؤں مسجد کے اندر اور دوسرا باہر تھا حضور ﷺ کا ارشاد کانوں نے سنا ''بیٹھ جاؤ'' وہ وہیں بیٹھ گئے کسی نے پوچھا آپ کیوں بیٹھے تو کہنے لگے میں نے خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم سننے کے بعد اگر باہر والا قدم اندر رکھتا ہوں یا اندر والا باہر رکھتا ہوں تو کہیں ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب مسلمانوں اور کفار کے لشکر آمنے سامنے تھے حضور ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ کفار کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائیں لیکن ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں جب حضرت حذیفہؓ ادھر گئے تو دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہا ہے کمان میں تیر جوڑ لیا، نشانہ لگانا چاہا تھا کہ حضور ﷺ کا حکم یاد آ گیا کہ رک گئے (مسلم کتاب الجہاد)

اسی طرح کے واقعات سے حضرات صحابہ کرامؓ کی تاریخ بھری ہوئی ہے۔ سیدنا عمر بن خطابؓ نے ممتاز سپہ سالار خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو سپہ سالار مقرر فرمانے کا حکم جاری کیا، حکم ملتے ہی حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے مایہ ناز سپہ سالار نے منصب خالی کیا اور سپاہی کی حیثیت سے لڑتے رہے، یہ ہے اطاعت امیر کی اعلیٰ مثال۔ اطاعت امیر کا جذبہ جب تک کارکن میں پیدا نہیں ہو گا اس وقت تک وہ منظّم جدوجہد کا حصہ نہیں بن سکتا اس لیے غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ امیر کی اطاعت کریں یہ نہ دیکھیں کہ امیر کسے بنایا گیا ہے اپنی انا، ذاتیات، شخصیت، مفاد غرض ہر چیز کو نظر انداز کر کے اطاعت کے جذبے کو اپنا شعار بنائیں۔

ایک حدیث جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ''امیر کی اطاعت کرو چاہے تم پر حبشی غلام کو ہی امیر کیوں نہ بنایا گیا ہو'' کیا اس حدیث کے بعد اطاعت امیر سے فرار کی کوئی راہ باقی بچتی ہے؟ واقعی اگر ہم غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے ہیں تو ہمیں صرف اور صرف احکامات الٰہی، احکامات نبوی ﷺ اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں اطاعت امیر کو اپنا شیوہ بنانا ہو گا تب ہی ہماری جدوجہد کسی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

## (اہداف کا تعین اور منصوبہ بندی)

## (Setting of goals and planning)

ہر تنظیم کا ایک مقصد ہوتا ہے جس کے حصول اور منزل تک پہنچنے کے لیے افراد جمع ہو کر جدوجہد کرتے ہیں دنیا کا کوئی کام چاہے جتنا منظّم کیوں نہ ہو منزل یا ہدف کے تعین کے بغیر پورا نہیں ہو

سکتا۔نظر ہمیشہ منزل اور ہدف پر رہے تو نا صرف آگے بڑھنے میں آسانی ہوتی ہے بلکہ رفتار کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے اور جب تک منصوبہ بندی سے کام نہ کیا جائے ہدف اور منزل کا حصول ممکن نہیں۔

اس لیے کسی کارکن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جماعت کے مقرر کردہ اہداف اور طے کردہ منصوبہ بندی کے مطابق اپنی جدوجہد کو جاری رکھے۔اہداف کا تعین انفرادی طور پر بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی بھی جب کہ منصوبہ بندی دونوں کے لیے لازمی ہے۔

یہ بات پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ کارکن بنیادی طور پر داعی ہوتا ہے اور دعوت کا کام انفرادی طور پر بھی کیا جاتا ہے اس کی کوئی صورتیں ہیں۔مثال کے طور پر آپ کسی تعلیمی ادارے میں پڑھتے ہیں وہاں آپ کے کلاس فیلو طلبہ ہوں گے جو اس دعوت سے نا آشنا ہوں گے آپ نے ان تک دعوت پہنچانی ہے یہ بات طے کرنا کہ سب سے پہلے کلاس کے ساتھیوں میں دعوتی کام کرنا ہے ہدف کا تعین کہلاتا ہے۔

پورے اسکول/مدرسہ/کالج/یونیورسٹی میں سے آپ نے کلاس کو کام کے لیے چن لیا، پھر کلاس میں سب سے پہلے ان طلبہ سے بات کرنی ہے جس سے واقفیت ہے یہ بھی ہدف کے تعین میں آتا ہے فرض کریں آپ نے طے کرلیا کہ فلاں فلاں طلبہ سے بات کرنی ہے انہیں دعوت دینی ہے اب آپ کا اگلا کام یہ ہے کہ ان کو دعوت دینے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ مثلاً آپ یہ طے کرتے ہیں کہ کچھ طلبہ کو تفریح یا بریک کے موقع پر چائے کی دعوت دی جائے اور چائے کے میز پر ان کے سامنے دعوت رکھی جائے۔کچھ طلبہ کو دعوتی پمفلٹ اور لٹریچر دیا جائے اور کچھ کو کیسٹ اور سی ڈیز دی جائیں تو یہ منصوبہ بندی کہلائے گی۔یہ جاننے کے بعد کہ ہدف کا تعین کیسے ہو اور منصوبہ بندی سے کیا مراد ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اسوۂ صحابہؓ میں اہداف کے تعین اور منصوبہ بندی کی کیا اہمیت تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام لانے سے قبل مکہ میں اپنے اخلاق،علم،تجارت اور تجربے کی بنا پر پسندیدہ شخصیت کے حامل تھے یہی وجہ تھی کہ مکہ کے بڑے بڑے معززین آپؓ کی مجلس میں شریک ہوتے آپؓ پر اعتماد کرتے اور آپ کے علم و تجربہ سے فائدہ اٹھاتے۔جب آپؓ نے اسلام قبول کرلیا تو حضور ﷺ نے دعوت کا کام کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دعوت کے لیے سب سے پہلے انہی لوگوں کو منتخب فرمایا جو آپ کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔صاحب ''اسد الغابہ'' نے اس کی تفصیل یوں نقل کی ہے۔

''قریش کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم اور تجربہ اور حسن معاملت کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے چنانچہ آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے والوں کو انہوں نے دعوت اسلام دی، اس دعوت کے نتیجے میں آپ کے ہاتھ پر حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ،

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اسلام لائے۔''

ذرا غور کیجئے تو مکہ کے تمام لوگوں میں سے اہل مجلس کا انتخاب جو آپؐ کے پاس آتے جاتے تھے ہدف کے تعین کی کتنی خوب صورت مثال ہے۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے پہلے عظیم ''کارکن'' کی زندگی کا یہ واقعہ ہمیں منظم، منصوبہ بند اور ہدف متعین کر کے جدوجہد کا سبق دیتا ہے۔

خود حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی یہی سبق ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی دعوتی جدوجہد کا لمحہ لمحہ منظم اور اہداف کے تعین سے بھرپور ہے، مکی زندگی مصائب و آلام کے باوجود دعوت کے ایک نرالے انداز کا پتہ دیتی ہے تو مدنی زندگی میں دعوت اور جہاد کے ساتھ مملکت کے قیام کے مراحل کس خوبصورتی سے طے ہو رہے ہیں۔ مدینہ کی شہری آبادی کی اکثریت کے قبول اسلام کے بعد آس پاس کے قبائل تک اسلام کی دعوت پہنچانا، پھر عرب کے بادشاہوں اور عجم کے خود ساختہ شہنشاہوں کو قبول اسلام کی دعوت یہ سب کچھ ایک کارکن کے لیے قابل غور اور قابل عمل اقدامات ہیں۔

ان واقعات سے منصوبہ بندی اور اہداف کے تقرر کی اہمیت اور زیادہ واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ سیرت النبی ﷺ اور سیرت صحابہؓ اگر ہمارے لیے بہترین نمانہ عمل اور مشعل راہ ہیں تو پھر ہمیں اپنی تنظیمی زندگی میں بھی انہی اصولوں، اسی انداز اور طریقہ کار کو اپنانا ہوگا جو ان حضرات نے اپنائیں جو کہ اسلام کے ابتدائی داعی اور کارکن تھے۔

ان واقعات سے منصوبہ بندی اور اہداف کے تعین کے بغیر جدوجہد کی کامیابی کا خواب دیکھتے ہیں ان کا خواب شاید ہی پورا ہو۔ اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا منزل تک پہنچنے اور مقصد کے حصول کے لیے تنظیم اور اتحاد کے علاوہ منصوبہ بندی اور ہدف کا تعین بھی ضروری ہے۔

## (اشتراک عمل)

## (Team Work)

کارکن چونکہ اس نظم کا حصہ ہوتا ہے جو ایک مقصد، مشن اور نظریے پر قائم اور ایک منزل کی طرف گامزن ہوتا ہے اس حیثیت سے کارکن کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مل جل کر کام کرنے، کام آپس میں بانٹ کر انجام دینے، کی اہمیت کو سمجھتا ہو۔ کارخانہ ہو یا دفتر، سکول ہو یا یونیورسٹی، گھر ہو یا کھیل کا میدان ہر جگہ مل جل کر کام آنے اور کام تقسیم کر کے کرنے کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔ اسی اصول کے تحت تنظیمیں بھی کام کرتی ہیں۔ تنظیم کے کارکنوں کا تنظیم کے کاموں کو مل جل کر انجام دینا ''اشتراک عمل / ٹیم ورک'' کہلاتا ہے۔

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی صلاحیت دی ہوتی ہے۔ تنظیم یا جماعت اپنے کارکنوں کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اسی کے مطابق ان کو کام سونپتی ہے کارکن کی یہ خوبی اور صفت ہے کہ جو کام اس کے ذمے لگایا جائے اس کو بخوبی انجام دینے کے لیے تمام صلاحیتوں کو کام میں لائے۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والوں کو یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ انسان کی جان، مال کی طرح اس کی خداداد صلاحیتیں بھی اللہ کی امانت ہوا کرتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کو دین کے کام میں صرف کرنا ہی امانت داری ہے۔ ٹیم ورک کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود انسان کا اپنا جسم کان، ناک، ہاتھ، پیر، آنکھ، دماغ، دل وغیرہ اعضاء کا مجموعہ ہے جب تک ہر عضو اپنا اپنا کام نہیں کرے گا انسانی جسم کا نظام ڈسٹرب ہوگا۔ خون کی گردش ذرا تیز ہو یا کم ہو تو انسان نڈھال ہو جاتا ہے اسی طرح ہاتھ پیر کام کرنے سے انکاری ہوں تو آدمی معذور کہلاتا ہے اس لیے ہر عضو کا اپنا کام انجام دینا ضروری ہے جب تک ہر عضو اپنا کام انجام نہیں دے گا ایک صحت مند انسان کی تشکیل ناممکن ہے ایسے ہی جماعت میں ہر کارکن یا ذمہ دار کا اپنا کام انجام دینا کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

اسوۂ صحابہؓ میں قدم قدم پر ہمیں ''ٹیم ورک'' کا اہتمام نظر آتا ہے۔ ''ٹیم ورک'' کے لیے اتحاد و محبت ضروری ہے صحابہ کرامؓ کے درمیان کس قدر محبت اور اتحاد تھا اس کی خود اللہ نے مثال دی ہے فرمایا: ''**رحماء بینھم**'' کہ محمد ﷺ پر ایمان لانے والے (صحابہؓ) آپس میں رحم دل ہیں۔ چنانچہ جو صحابہؓ پڑھے لکھے تھے وہ کتابت وحی اور آپ ﷺ کے خطوط تحریر کرنے کی ذمہ داری نبھاتے، جو قرآن پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے اور قاری تھے وہ نومسلموں کو قرآن سکھاتے، جو دینی مسائل اور فقہ پر عبور رکھتے تھے وہ لوگوں کو مسائل سکھاتے جو جنگی مہارت رکھتے وہ دوسروں کو تربیت دیتے۔ جب آپ ﷺ راہ خدا میں مال دینے کا حکم دیتے تو صاحب ثروت اصحابؓ بڑھ چڑھ کر حصہ ڈالتے۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر اور جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے واقعات ''ٹیم ورک'' کی اعلیٰ مثالیں ہیں کوئی گارا بنا رہا ہے، کوئی پتھر لا رہا ہے تو کوئی دیوار بنا رہا ہے یہی ٹیم ورک ہے۔ اسی طرح مل جل کر ان حضرات نے دین کا کام کیا اور ہمارے لیے بھی راہیں متعین کر دیں۔

خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں عمال کا تقرر ہوا کرتا تھا مختلف صحابہ کرامؓ کو گورنر یا عامل بنا کر بھیج دیا جاتا ایسے مواقع پر بھی صلاحیتوں کو دیکھ کر ہی اشخاص کا تقرر ہوتا گویا قدم قدم پر ''ٹیم ورک'' کے اصول کو اپنایا جاتا۔

مل جل کر کام کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ افراد کی صلاحیتیں سامنے آتی ہیں اور لائق اور قابل افراد کو آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے کہ ''ٹیم ورک'' کے اصولوں پر عمل کیا

جائے۔ اسلام کے غلبہ کے لیے کام کرنے والے کارکن کو یہ اصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ کام کرنے والے افراد کا خیال رکھے صرف یہی نہیں بلکہ ہر ممکن حد تک ان کا ہاتھ بٹائے اور ساتھ دے۔ جب تک ٹیم کا ہر فرد دوسرے کا خیال رکھے گا اور دوسروں پر تنقید، اعتراض اور راستہ روکنے جیسے کاموں سے اجتناب برتے گا ٹیم درست سمت میں کام کرے گی۔

دنیا کی ساری مشینریاں، ہتھیار، جدید ترین آلات اور انسانی جسم بھی اسی اصول کے تحت کام کرتا ہے۔ کوئی پرزہ دوسرے پرزے کا نہ تو راستہ روکتا ہے نہ ہی دوسرے کے کام میں مداخلت کرتا ہے۔ ہر کوئی اپنا کام انجام دیتا ہے تب ہی آلات اور مشینیں کام کرتی ہیں اور انسانی جسم کا بھی ہر عضو اپنا ہی کام کرتا اور دوسرے میں مداخلت یا رکاوٹ سے اجتناب کرتا ہے تب ہی ایک صحت مند اور توانا انسان وجود میں آتا ہے۔ ذرا سوچیے معاملہ اس کے برعکس ہو تو چھوٹی سے چھوٹی مشین یا بڑے سے بڑا آلہ کام کرنا چھوڑ دے۔

اشتراک عمل یعنی مل جل کر کام کرنے کے فوائد کے حوالے سے ایک مفکر نے ایک مثال دی ہے جو ہم سب کے لیے بھی قابل غور اور قابل عمل ہے ''کپڑے سینے والی سوئیاں بنانے والے دس ہنر مندوں نے انفرادی طور پر سوئیاں بنانے کا کام کیا نتیجے کے طور پر پورے دن کی محنت کے بعد ہر شخص نے صرف تین سوئیاں بنائیں۔ اس کے برعکس جب اشتراک عمل یعنی ٹیم ورک کا اصول اپنا کر کام کیا تو کیا نتیجہ نکلا؟ ان میں سے ایک لوہا لایا، دوسرے نے آگ کا انتظام کیا، تیسرے نے اس میں سوراخ کیا، چوتھے نے اسے آگ میں ڈالا اور باقیوں نے اس کی نوک بنائی پس تھوڑی محنت سے تھوڑے وقت میں ہر ایک نے اپنے حصے کا کام تیزی سے کیا کیونکہ کام ہلکا تھا تو نتیجہ کے طور پر ہر ایک کے حصے میں یومیہ تین کے بجائے تین سو سوئیاں آئیں..... ہر کوئی دلچسپی سے کام کر رہا تھا یہی اشتراک عمل کا فائدہ ہے..... اور یہی اصول ہے۔''

ذرا غور کیجیے کہ معمولی سی سوئی بنانے والے مزدوروں کا کام اشتراک عمل یا ٹیم ورک کے اصول سے کئی گنا بڑھ کر فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے تو دین کے غلبہ کی جدوجہد اگر اس عظیم اصول اور سنہرے انداز کو اپنا کر کی جائے تو کتنا فائدہ ہوگا۔ لہٰذا کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹیم ورک کے اصول کا پابند بنائے۔ تنظیم میں ٹیم ورک کو اپنانے کے عمل کا آغاز اپنی ذات سے کرے، اور تنظیم کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داری کو احسن انداز میں پورا کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔

# (جہد مسلسل)

## (Protong Struggle)

کارکن اور ایک عام فرد میں نمایاں فرق یہ ہوتا ہے کہ ایک عام انسان جو کسی تحریک یا تنظیم سے وابستہ نہیں اس پر اس قدر ذمہ داریاں نہیں ہوا کرتیں جس قدر کسی تنظیم کے کارکن پر ہوتی ہیں چونکہ کارکن نے ایک خاص نظریے کو اپنا کر ایک مشن کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہوتا ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنی صفات، اخلاق اور طور طریقوں میں دیگر لوگوں سے مختلف ہو۔ کوئی کام چاہے دنیاوی مقصد کے لیے ہو یا اخروی اگر اس میں دل جمعی اور تسلسل نہ ہو تو کامیابی مشکل ہوگی ایک عام انسان اپنی روزی کمانے کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے تو اس میں ہمہ وقت مگن اور مصروف رہتا ہے کوئی جدوجہد سے خالی نہیں ملے گا۔ مکہ کی گلیوں سے طائف کی وادی میں دعوتِ حق کا پرچم بلند کرنے تک، ہجرت مدینہ سے وصال نبوی علیہ السلام تک کوئی لمحہ ایسا نہیں جب حضور ﷺ نے دعوت اور غلبہ اسلام کا کام ترک کر کے آرام فرمایا ہو، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے کارکن (صحابہؓ) ہمہ وقت غلبہ اسلام کی فکر میں مگن نظر آتے ہیں۔ کہیں انفرادی دعوت دی جا رہی ہے کہیں وفود اور قبائل کے سرداروں اور اجتماعات کی طرف توجہ ہے کہیں تجارتی اور ثقافتی میلوں میں داعیوں کی تشکیل ہو رہی ہے تو کہیں رؤسا اور بادشاہوں کو خطوط لکھے جا رہے ہیں، کہیں ہجرت ہو رہی ہے تو کبھی جہاد کے لئے تیغ و تفنگ تیز اور تیار کئے جا رہے ہیں۔ بازار ہو یا مسجد گھر ہو یا میلہ دعوت کو کام ہر جگہ ہو رہا ہے۔ غرض ۲۳ سالہ دور نبوی ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے ادوار میں کہیں بھی دین کا کام تعطّل کا شکار نظر نہیں آتا۔ اسی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ دین اسلام عرب سے عجم پہنچا اور ایک وہ وقت آیا کہ صحابہ کرامؓ نے دنیا کے آدھے سے زیادہ حصہ پر دین اسلام کا علم لہرایا۔ آج ہم تک دین کی دعوت اگر پہنچی ہے تو یہ صحابہ کرامؓ کی اسی جہد مسلسل کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اگر صحابہؓ بھی آج کے کارکن کی طرح آج کا کام کل پر ڈال کر ٹالتے رہتے اور دین کے کام پر ذاتی کاموں کو ترجیح دیتے تو کیا دین اسلام ہم تک پہنچا ہوتا؟

اگر غور کیا جائے تو آج کے دور میں دعوت اور دین کے کام کے لیے ذرائع پہلے سے کئی گنا زیادہ ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر ہم تھوڑی محنت اور کم وقت میں زیادہ کام کر ہیں۔ لیکن اس کے لیے ضرورت ہے مسلسل جدوجہد کی۔ وہی انداز وہی طریقہ وہی تڑپ اور وہی سوز جو حضرات صحابہؓ میں پایا جاتا تھا اگر آج کے کارکن میں اس کی ادنی سی جھلک اور شائبہ تک موجود ہوگا تو نتائج انشاءاللہ بہت مختلف ہوں گے۔

کوئی بھی شخص ہفتے میں ایک دن یا مہینہ میں چند دن کام کر کے خوش حال رہ سکتا ہے نہ اپنے گھرانے کی کفالت کا فریضہ نبھا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی ملازم چھٹیوں پر چھٹیاں کرتا پھرے اور دکاندار ناغے کرتا رہے تو ملازمت اور کاروبار سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ یہ تو تھی دنیاوی مثالیں..... دین کے غلبہ کی جدوجہد کرنے والے اگر یہ سمجھ بیٹھیں کہ سال بھر میں ایک نشست میں شرکت کر کے، کسی ایک جلسہ میں تقریر سن کر اور نعرے لگا کر اس نے دین کے کام کا حق ادا کر دیا تو یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک نظریاتی کارکن کی یہ صفت ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح محض معاشی جدوجہد کرنے والا انسان نہیں ہوتا بلکہ وہ جس طرح معاشی ضروریات کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا ہے اسی طرح دین کے کام کے لیے بھی وقت نکالتا ہے۔

کام کرنا ایک بات ہے اور مسلسل کام کرتے رہنا دوسری اور بڑی بات۔ جب تک مسلسل کام نہ کیا جائے نظم وضبط کسی فائدے کا نہ ہی ٹیم ورک اور اخلاص۔ کام تھوڑا ہو لیکن مسلسل ہو تو اس کے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ایک نظریاتی کارکن کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے مشن اور نظریے کا کام ایک نظم کے تحت، امیر کی اطاعت میں مسلسل کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پانی جیسا نرم مائع بھی اگر مسلسل قطروں کی شکل میں چٹان پر ٹپکتا رہے تو سخت سے سخت چٹان میں سوراخ کر دیتا ہے کارکن جب مسلسل جدوجہد کرے گا تو اس کو غلبہ اسلام کی جدوجہد میں کامیابی ہوگی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سال میں چند گھنٹے کام کرے اور بے ترتیبی سے کرے اور نتیجہ سو فیصد نکلنے کی امید رکھے۔ چاہتا یہ ہو کہ معاشرے میں تبدیلی لے آئے اور جہد مسلسل کے اصول کو نہ اپنائے۔ معاشرے میں تبدیلی اور غلبہ اسلام کے لئے جہد مسلسل کے اصول کو اپنانا ہوگا۔ جہد مسلسل سیرت نبوی ﷺ سے ملنے والا وہ سبق ہے جسے اسوۂ صحابہؓ میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

دور نبوت ﷺ ۲۳ سال پر مشتمل ہے۔ دس سالہ مکی اور تیرہ سالہ مدنی زندگی، سیرت کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے، کتاب سیرت کا کوئی ورق کھول کر دیکھ لیں کہیں بھی تسلسل ٹوٹتا ہوا نظر نہیں آئے گا۔

جہد مسلسل سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ انسان بس دین کا کام ہی کرتا رہے دوسرے کاموں کو وقت ہی نہ دے۔ اسوۂ صحابہؓ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کارکن کی تو خوبی یہی ہے کہ وہ دیگر کاموں کے ساتھ دین کا کام بھی مسلسل کرتا ہے چاہے تھوڑا سا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ وہ جس طرح اپنی تعلیم یا معاش کے لیے وقت نکالتا ہے اسی طرح وہ غلبہ اسلام کی جدوجہد کے لیے بھی وقت نکالتا ہے۔ اگر آپ طالب علم ہیں تو کیا چوبیس گھنٹے، ہفتہ بھر مہینہ کے تیس دن اور سال کے ۳۶۵ دن پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہوتا، انسان کو لامحالہ دوسرے نجی اور ذاتی کاموں کے لیے بھی وقت نکالنا ہوتا ہے۔ ایسے ہی جیسے کھانے پینے، کپڑے بدلنے کھیلنے کودنے اور ملنے جلنے کے لیے وقت نکالا جاتا ہے اپنی تعلیمی مصروفیات

میں سے تھوڑا سا وقت تنظیم کے لیے بھی نکالیں۔ اسکول کالج میں تفریح اور بریک کے وقت روزانہ ایک طالب علم سے ملنے اور دعوت دینے کا ہدف مقرر کریں اور اس کا اپنائیں دیکھیں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ کھیل کے میدان کی طرف جاتے ہیں تو آتے جاتے وقت اپنے ساتھیوں سے دعوت اور تنظیم کی بابت بات کریں۔ یہ کونسا مشکل ہے، اس میں کون سا پیسہ لگتا ہے، کونسی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے؟ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایک نظم کے ساتھ منسلک کریں۔ تنظیم کی طرف سے مقررہ اہداف اور طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق کام کریں تو انشاء اللہ بہترین کارکن کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

غلبہ اسلام کی جدوجہد، تسلسل کا تقاضا کرتی ہے۔ وہی تسلسل جو سیرت نبوی ﷺ اور اسوۂ صحابہؓ میں نظر آتا ہے۔ یاد رکھیے اگر آج کا باشعور نوجوان دین سے بے بہرہ ہو کر دنیا میں مگن رہا تو آنے والے کل کے مسلمان قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑیں گے کہ ہم تک دین کی دعوت اور دین کی جدوجہد کا ہم میں شعور بیدار کرنا اس کی مذہبی ذمہ داری تھی مگر اس نے تو ہمیں مغربی کلچر کے حوالے کیا، ہمیں جنسی اور حیوانی جذبات بھڑکانے والی میڈیا کے رحم وکرم پر چھوڑا۔ اس وقت ہم کیا جواب دیں گے؟ اس لیے آنے والے کل کے مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ اور دین اسلام کے غلبہ کے لیے ہمیں اپنا آج قربان کرنا ہوگا۔ جب تک ہم آج وقت اور صلاحیتوں کا دین کے لیے استعمال نہیں کریں گے اسلام کے غلبہ کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔

## (جذبہ ایثار وقربانی)

## (Passion of Sacrifice and Self denid)

وقت، مال، جان یا صلاحیت صرف کیے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ لگا کر اور کچھ نہ کچھ دے کر ہی نتیجہ اور ثمرہ سامنے آتا ہے۔ ایک کارکن کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نظریے اور مشن کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہتا ہے اس کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ ہوتا ہے۔ جب تک نظریے اور مشن کے لیے قربانی دینے کا جذبہ نہ ہو کارکن کی نظریے سے وابستگی واجبی ہوسکتی ہے پختہ نہیں۔ نظریے کی پختگی کی نشانی یہی ہے کہ انسان قربانی کے لیے تیار رہے۔

دین کا کام ہر دور میں قربانی اور ایثار کا متقاضی رہا ہے۔ دور نبوت ﷺ کی ابتداء میں جب کہ ابھی آپ ﷺ نے اعلان نبوت ﷺ فرمایا ہی تھا کہ جو لوگ آپ ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہوئے اور دین کے راستے پر چلنے لگے ان پر مظالم، شدائد اور مصائب وآلام کے طوفان آئے اگر اس دور کے مسلمانوں

یعنی صحابہ کرامؓ میں جو کہ حضور ﷺ کی جماعت کے کارکن تھے قربانی کا جذبہ نہ ہوتا یا وہ نظریاتی طور پر پختہ نہ ہوتے تو ان مظالم پر ہرگز قائم نہ رہ سکتے۔ قربانیوں اور ایثار کی جو لازوال داستان صحابہ کرامؓ نے رقم کی اس کی مثال نہ تو ان سے پہلے گزری نہ بعد میں کوئی پیش کر سکتا ہے۔ کسی نظریے پر ڈٹ جانا، ظلم سہہ کر، انگاروں پر لیٹ کر، تپتے ہوئے تیل کے کڑاہوں میں کود کر اور پھانسی کے پھندوں کو چوم کر بھی اپنے مشن اور نظریے سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹنا صحابہ کرامؓ ہی سے سیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت بلالؓ جو کہ ایک حبشی غلام تھے ایمان لائے تو مشرکین آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا گیا، لڑکوں نے اسی حال میں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا، لیکن آپؓ کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا کہ احد، احد یعنی اللہ ایک ہے۔

حضرت خبابؓ بھی غلام تھے ایمان لائے تو ان کی مالکہ ام انمار نے مظالم کی انتہا کر دی۔ لوہا گرم کر کے ان کے سر اور پیٹھ پر رکھا جاتا۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے پیٹھ دیکھی تو حیرت سے فرمایا میں نے ایسی پیٹھ کبھی نہیں دیکھی۔

صبر و استقامت اور حق کی راہ میں قربانی کی یہ وہ داستانیں تھیں جو صحابہ کرامؓ نے دہرائیں تو دشمن بھی معترف ہو گئے۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ ''جب صحابہ کرامؓ شام میں گئے تو اہل کتاب میں سے کسی نے ان کو دیکھ کر کہا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے وہ حواری جو آروں سے چیرے گئے اور سولی پر لٹکائے گئے ان (صحابہؓ) سے زیادہ تکلیف اٹھانے والے نہ تھے۔''

صحابہ کرامؓ نے دین کی راہ میں جانی، مالی ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ اپنا گھر بار وطن اور رشتہ داروں تک کو چھوڑا، ہجرتیں کیں، راہ خدا میں جائیدادیں لٹائیں تب ہی اسلام کا پیغام عرب سے عجم اور دنیا بھر میں پھیلا۔ آج کے دور میں غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ کام قربانی مانگتا ہے۔ اور یہ قربانی جان، مال، وقت اور صلاحیتوں سب ہی کی ہو سکتی ہے۔ بدقسمتی سے لوگ دین کی راہ میں جانیں دینے کی بات کرتے ہیں لیکن ان سے مال اور وقت یا صلاحیتوں کی قربانی مانگی جائے تو انکاری ہوتے ہیں یا سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ قربانی اور ایثار کہتے ہی اسی کو ہیں کہ وقت کو جس چیز کی ضرورت ہو اور طلب کرے وہ بلا چوں و چرا پیش کی جائے۔ ایثار بھی قربانی کی ایک شکل ہے۔

ایثار اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دے۔ خود کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور وہ چیز میسر ہو تو دوسرے کی ضرورت کا پتہ چلنے پر وہ دوسرے کو دی جائے۔ فیاضی یعنی کھلے ہاتھوں مال خرچ کرنا ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار اعلیٰ ترین فیاضی ہے۔ صحابہ کرامؓ میں ایثار اس قدر تھا کہ ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دیتے۔ ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سوئے

اتفاق کہ آپ ﷺ کے گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا'' آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا؟'' ایک انصاری صحابی ابوطلحہؓ نے کہا'' میں یارسول اللہ ﷺ چنانچہ اس مہمان کو گھر لے گئے گھر میں بیوی نے بتایا کہ صرف بچوں کا کھانا ہے۔ ابوطلحہؓ نے کہا بچوں کو بہلا کر سلاؤ اور جب مہمان گھر آئے تو چراغ کسی بہانے بجھا دو ہم یہ ظاہر کریں گے کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب رات گزار کر صبح حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اللہ تمہارے حسن سلوک اور ایثار سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی **"ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ"** (سورۃ الحشر آیت نمبر ۹)

ترجمہ:۔ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ بہت ہوں۔''

ایک غزوہ کے موقع پر حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت سہیل بن عمروؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیلؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے ان کو پلا آؤ، حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارثؓ کی نگاہ بھی پانی پر ہے بولے پہلے ان کو پلاؤ جب پلانے والا ان تک پہنچا تو تینوں دم توڑ گئے یوں ایثار کی ایک انوکھی مثال قائم کر کے تینوں ہمیشہ کے لیے سرخرو ہو گئے۔

غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والوں کا یہی جذبہ قربانی و ایثار تھا کہ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنی ابدی کتاب میں ان کی مدح سرائی فرمائی اور جنت کی خوشخبریاں نقد سنائی گئیں۔ آج اسی جذبہ کے ساتھ اگر دینی کارکن اسلام کا علم لے کر اٹھیں گے تو معاشرہ ایک بار پھر اسلام کے غلبہ کے مناظر دیکھے گا۔ دین کے غلبہ کی کوشش کرنے والوں میں جب یہی صفات پیدا ہوں گی تو اللہ کے ہاں تو مقام پائیں گے ہی مگر آپس میں محبت و اتحاد کی فضا قائم ہوگی جو آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ نفسانفسی کے اس پرآشوب دور میں جذبہ و قربانی اگر دینی کارکنوں کا نمایاں وصف ہو تو لوگ دین کی طرف کھچ کھچ کر آنے لگیں گے۔

غرض یہ ایک کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر مشن، نظریہ اور جماعت کے لیے ہی نہیں اپنے ساتھیوں کے لیے قربانی اور ایثار کے جذبے سے سرشار ہو۔ بعید نہیں کہ انہی صفات کی بدولت اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور دین دنیا کی کامرانی ہمارا مقدر بنے۔

# (حسن کردار و حسن اخلاق)

## (Character and Personality)

کردار و اخلاق کی پاکیزگی ہر لحاظ سے قابل تحسین صفات ہیں۔ تاہم ایک دینی کارکن کے لیے ذاتی اخلاق اور کردار کی بہتری اشد ضروری ہے۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے کردار پر ہر کوئی رشک کرے گا۔ معاشرے میں اس تنظیم کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کے کارکن اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں ایسی تنظیمیں معاشرے میں اپنا مقام نہیں بنا سکتیں جن کے کارکنوں کا اخلاقی معیار گراوٹ کا شکار ہو۔ اعلیٰ اخلاق ایمان کے مکمل ہونے کی نشانی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنا ذاتی کردار صاف ستھرا رکھیں اور لوگوں سے میل جول میں اخلاقیات کا اعلیٰ مظاہرہ کریں۔ داعی کا کردار اور اس کے اخلاق جس قدر ستھرے ہوں گے لوگ اس سے ملنے اٹھنے بیٹھنے میں خوشی محسوس کریں گے یوں اسے دعوت کے کام میں آسانی ہوگی۔

صحابہ کرامؓ کے اخلاق اور ان کا کردار اسلام کے پھیلانے کا اہم ذریعہ ثابت ہوا۔ عقیدہ ہو یا عمل صحابہ کرامؓ جو کہتے تھے اس پر پورا بھی اترتے تھے چنانچہ جب دوسروں کو دعوت دینے جاتے تو کہتے کہ ''ہماری طرح ہو جاؤ'' لوگ ان سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام قبول کر لیتے۔ صحابہ کرامؓ کا اخلاقی معیار صحبت نبوی ﷺ کے باعث مثالی تھا۔ آج کے دینی کارکنوں کے لیے ان کی سیرت بہترین نمونہ عمل ہے۔ ذیل میں صحابہ کرامؓ کے اخلاق و کردار کے چند واقعات چند عنوانات کے تحت دیئے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور میں اگر اس اخلاق کا کوئی ادنی سا حصہ بھی ہمیں حاصل ہو تو زہے نصیب۔۔۔۔۔

## (۱.....خوفِ الٰہی، Piety)

صحابہؓ کے دل اللہ کے خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ یہی خوف الٰہی تھا جو ان کو ترک معصیت پر ابھارتا، اطاعت رسول ﷺ اور دین کے کاموں کے ساتھ ساتھ عبادت میں ہمہ تن مشغول رکھتا تھا۔ بلاشبہ خوف الٰہی کا دل میں ہونا عند اللہ مقبولیت کے لیے ضروری ہے۔ دلوں میں جس قدر خوف الٰہی ہوگا اسی قدر انسان گناہوں سے دور اور نیکیوں کے قریب ہوگا۔ اسی کو تقویٰ کی بنیاد کہا گیا ہے۔ ایک صالح جماعت کے کارکنوں میں خوف الٰہی نمایاں وصف ہوتا ہے۔ چنانچہ واقعات میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حاضری کے خوف سے کانپ کانپ جاتے تھے۔ سنن ابوداؤد میں روایت ہے ''ایک بار دفعہ اندھیرا چھا گیا، ایک صاحب نے صحابی رسول ﷺ حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا

کہ ''عہد نبوت میں بھی ایسا ہوتا تھا؟'' فرمایا'' معاذ اللہ اگر ہوا بھی تیز ہو جاتی تھی تو ہم سب قیامت کے ڈر سے (کہ اس دن اللہ کے سامنے حاضری ہوگی) مسجد کی طرف بھاگتے تھے۔''

آیت ''ان زلزلة الساعة شیء عظیم'' (سورۃ الحج آیت نمبر ۱) قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی'' نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا'' جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟'' یہ وہ دن ہے جب اللہ آدم سے کہے گا کہ آگ کی فوج بھیجو وہ کہیں گے اے اللہ! آگ کی فوج کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جنت میں صرف ایک۔ تمام صحابہؓ یہ سن کر بے اختیار رو پڑے (جامع ترمذی)

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اسی حساب کے ڈر سے صحابہ کرامؓ باوجود صحبت نبوی ﷺ سے فیض یاب ہونے اور اخروی کامرانی کی بشارتوں کے ہر وقت متفکر رہتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں آتا ہے کہ خوف وخشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ کبھی فرماتے'' کاش میں ایک پودا ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا'' کبھی اپنی زبان پکڑ کر فرماتے'' اسی نے خطرہ کے مواقع پر لا کھڑا کیا'' (العلم والعلماء)

حضرت فاروق اعظمؓ کا قول مشہور ہے کہ'' اگر میدان محشر میں یہ اعلان ہونے لگے کہ اے لوگو! ایک آدمی کے سوا تم سب لوگ جنت میں چلے جاؤ تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ رہ جانے والا میں (عمرؓ) ہوں گا'' اگر یہ اعلان ہو کہ اے جہنمیو! ایک آدمی کے سوا تم سب جہنم سے نکل جاؤ تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک آدمی میں ہی ہوں گا (العلم العلماء) یہ تھا خوف الٰہی کا حال۔ اتنے عظیم صحابی رسول ﷺ کے خوف کا یہ حال ہے تو ماوشما کس شمار میں۔۔۔؟

## (۲.....تواضع اور انکساری، Humility)

بلاشبہ دین کے غلبہ کا کام کرنا قابل فخر اور قابل شک ہے۔ اس پرفتن دور میں جو لوگ کسی دینی تحریک یا تنظیم کے کارکن ہیں وہ واقعتاً ایک عظیم کام سے منسلک اور ایک اعلیٰ حیثیت کے مالک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی کارکن اس پر اتراتا پھرے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑھ کر سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ تواضع اور انکساری کارکن کے نمایاں اوصاف میں شمار ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھے اور عاجزی کا مظاہرہ کرے۔ قرآن مجید نے بھی اللہ کے خاص اور مقرب بندوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ان کی چال ڈھال سے بھی تواضع، عاجزی اور انکساری نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے'' **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا**'' (سورۃ الفرقان: آیت ۶۴) اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور

حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''جو شخص اللہ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلندی اور عزت سے نوازتے ہیں'' (مشکوٰۃ شریف)

حضرت مہربان ﷺ نے عملاً تواضع، عاجزی اور انکساری کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ کی سیرت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ میں یہ صفت اور خوبی اعلیٰ درجہ میں موجود تھی چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بیماروں کی مزاج پرسی فرماتے، جنازہ میں شرکت کرتے اور غلام کی دعوت قبول فرماتے، آپ ﷺ فرش پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے، بکریوں کو خود باندھتے، زمین پر بے تکلف بیٹھ جاتے، اپنے پیچھے صحابہ کرامؓ کو ہجوم کی شکل میں چلنے سے بھی منع فرماتے کہ یہ بھی عاجزی کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ کی انہی عملی تعلیمات کے سبب آپ ﷺ کے صحابہؓ میں بھی عاجزی انکساری اور تواضع کی صفات پائی جاتی تھیں۔

خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی انکساری کا یہ حال تھا کہ آپؓ کے معمولات میں خلیفہ بننے کے بعد کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ آپؓ کے بارے میں یہ واقعہ تو مشہور ہے کہ آپؓ ایک نابینا بڑھیا کے گھر کا تمام کام چپکے سے انجام دیتے۔ اسی طرح آپؓ محلے والوں کی بکریوں کا دودھ نکالا کرتے جب آپؓ خلیفہ بنے تو کسی بچی نے کہا کہ اب ابوبکرؓ ہماری بکریوں کا دودھ کہاں نکالیں گے؟ آپؓ نے سنا تو فرمایا نہیں میں خود یہ کام کروں گا چنانچہ آپؓ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ (العلم العلماء)

اسی طرح حضرت عمرؓ کی عاجزی وانکساری کا حال محدثین مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ آپؓ عظیم خطہ زمین کے خلیفہ اور حاکم ہونے کے باوجود پیوند لگے کپڑے پہنتے، فتح بیت المقدس کے تاریخی موقع پر جب آپ عیسائیوں سے صلح پر دستخط کرنے فلسطین گئے تو اس حال میں وہاں پہنچے کہ پیوند لگے کرتے میں ملبوس تھے۔ آپؓ کا غلام اونٹنی پر سوار تھا اور آپؓ اس کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ آپؓ کا قول ہے کہ ''تم (عرب) لوگوں میں کم تر اور ذلیل تھے پھر اللہ نے تمہیں اپنے دین اسلام کے ذریعہ عزت بخشی پھر اب اسلام کے علاوہ اپنی عزت کیوں تلاش کرتے ہو۔''

امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورینؓ خلیفہ وقت تھے لیکن اس کے باوجود مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں کنکریوں پر بے تکلف آرام فرماتے یہاں تک کہ آپؓ کے جسم پر کنکریوں کے نشان پڑ جاتے۔ خلیفۃ المسلمین سیدنا علی المرتضیٰؓ کے تواضع کا یہ حال تھا کہ آپؓ نے بازار سے خود خریداری کی اور سامان اپنی چادر میں باندھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے کسی نے کہا کہ حضرت میں اٹھالوں۔ فرمایا: ''نہیں گھر والا ہی اس کو اٹھا کر لے جانے کا زیادہ حق دار ہے'' (احیاء العلوم)

آج ہم معمولی عہدہ ملنے پر اپنے آپ کو کیا کچھ نہیں سمجھ بیٹھتے۔ صحابہ کرامؓ کے یہ واقعات

ہمارے لیے اپنے اندر سبق لیے ہوتے ہیں کہ ہم جتنا بڑا منصب اور عہدہ سنبھالیں عاجزی اور انکساری اور تواضع کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔

## (ج.....عفوودرگزر، Forgiveness and Pardon)

دوسروں کی کمزوریوں، غلطیوں اور زیادتیوں سے درگزر اور معاف کرنا ایک ایسی صفت ہے جو انسان کی عزت معاشرے میں بڑھاتی ہے۔ بلکہ اس سے آپس میں محبت اور شفقت کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ ایک کارکن کے اندر حلم، بردباری اور عفوودرگزر کی صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: عفودرگزر سے اللہ تعالیٰ انسان کی عزت اور سربلندی میں اضافہ ہی فرماتا ہے'' (مسلم) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ عفوودرگزر سے کام لیتے تھے۔

عام طور پر تنظیموں اور تحریکوں میں معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے انتقام لینے اور نیچا دکھانے کا رواج ہے۔ کارکنوں میں عفودرگزر اور حلم و بردباری کی صفات جب مفقود ہوں تو محبت کی جگہ نفرت اور اتحاد کی جگہ افتراق لے لیتی ہے پھر اصل مقصد سے ہٹ کر تنظیمیں خود ہی تباہی و بربادی کا شکار ہوتی ہیں۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سدا ساتھیوں کے لیے اپنے دل میں محبت واحترام اور عفودرگزر کے جذبات کو جگہ دیں۔

نفرت اور انتقام کے جذبات کس کے دل میں نہیں ہوتے لیکن اس کا استعمال غلط جگہ پر کرنے کی بجائے اچھی جگہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپ برائیوں سے نفرت کر کے اپنے اندر پائی جانے والی نفرت کے جذبات کو ٹھنڈا کریں بجائے کسی انسان یا اچھی چیز سے کرنے کے۔ اگر دشمنی کرنی ہو تو اپنے نفس سے اور شیطان سے کریں جو آپ کا کھلا دشمن ہے، نافرمانی بغاوت اور برائی پر ابھارتا ہے۔ نفرت اور بےزاری کے جذبات کا یہی ذریعہ اظہار رکھیں۔

صحابہ کرامؓ آپس میں تو شیروشکر تھے ہی دوسروں کی زیادتیوں کا بھی بدلہ نہیں لیتے تھے اور عموماً معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے لیکن حلم و بردباری اور درگزر کا یہ حال تھا کہ لوگ آپؓ کی ظاہری حالت دیکھ کر طنز و تمسخر تک اترتے لیکن آپؓ فرماتے ''جانے دو''۔

ایک بار ایک صحابیؓ مسجد نبوی ﷺ میں کمبل بچھا کر سو رہے تھے، ایک شخص آیا اور کمبل چرا کر لے گیا لوگوں نے اس کو پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ نے اس کا سزا دینے کا حکم دیا اس صحابیؓ نے سنا تو فوراً حاضر خدمت ہو کر عرض کیا ''یہ کمبل میں اسے بیچتا ہوں اور قیمت تین درہم یہ شخص بعد میں ادا کرے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ معاف کیا۔''

یہ حقیقت ہے کہ عفو درگزر کی صفات اپنے اندر پیدا کیے بغیر آج کے معاشرے میں دین کا کام کرنا مشکل ہے۔اس لیے غلبہ اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکن کو اسلام کے اولین کارکنوں یعنی صحابہؓ جیسی صفات اپنے اندر پیدا کر کے معاشرے میں اپنا مقام بنانا ہوگا۔

## (د.....اتباع سنت،Obedeinde of Prophet)

حضور اقدس، نبی مہربان ﷺ کی سنت کا اتباع اللہ کے احکامات پر عمل کے بعد سب سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ احکامات الٰہیہ پر عمل بھی سنت کے مطاقق کرنا ہی مقبولیت کا ذریعہ ہے۔سنت نبوی ﷺ کے اتباع کا جزبہ جیسے جیسے مفقود ہوتا جارہا ہے آج کے مسلمان کی زندگی دین سے دورتر ہوتی جارہی ہے۔ ویسے تو ہر مسلمان کے لیے اتباع سنت لازمی ہے لیکن دینی کارکنوں کے لیے ازحد ضروری ہے کہ وہ سنتوں پر عمل کا اہتمام کریں۔ ہمارے اخلاق اور کردار کی بہتری میں سب سے بڑا کردار سنت پر عمل کا ہے۔صحابہ کرامؓ میں اتباع سنت کا جذبہ تھا تب ہی لوگ ان کے کردار و اخلاق کی مثالیں دیا کرتے۔

مسواک کتنی معمولی سنت ہے لیکن ایک بار محاذ جنگ پر مسلمانون کو دشمن پر فتح حاصل نہیں ہو رہی تھی کئی روز کے معرکوں کے بعد جب سپہ سالار نے غور کیا کہ کس وجہ سے فتح نہیں ہورہی تو پتہ چلا کے مسواک کی سنت کا اہتمام نہیں رہا۔ جب صبح اٹھے تو سب نے مسواک کا اہتمام کیا۔ جب کفار کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان مسواک کررہے ہیں تو چلائے ''دیو آمد'' یعنی یہ تو انسان نہیں جن ہیں جو دانت تیز کررہے ہیں اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ یوں صرف ایک سنت پر عمل کی وجہ سے دشمن پر فتح ملی۔

ذرا غور فرمایئے ہماری زندگی میں سنتوں کا کس قدر اہتمام ہے نہ جانے کتنی سنتیں ہم دن رات پامال کررہے ہیں۔ پھر بھی ہم سوچتے ہیں کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی ؟ یقین کیجیے اللہ نے جو فتح و نصرت کے وعدے فرمائے ہیں وہ آج بھی قائم و دائم ہیں جیسے اس کی ذات اس کی حکومت اور اس کی بادشاہت ابدی ایسے ہی اس کے وعدے بھی ابدی ہیں۔کمی اگر ہے تو ہم میں ہے اور اس کمی کے سدباب کا یہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے ذاتی اخلاق و کردار کی بہتری پر توجہ دیں اپنے معمولات میں سنتوں کا اہتمام رکھیں۔ یقیناً ہماری زندگیاں بدل جائیں گی اور زندگی بدلنے ہی کو انقلاب کہتے ہیں۔

ایک ایسے دور میں جب کہ ہر طرف نبی پاک ﷺ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جارہا ہو عام مسلمانوں بالخصوص دینی'' کارکن'' کا فرض ہے کہ وہ سنتوں کے احیاء میں کردار ادا کرے۔ کیا پتہ یہی اخروی کامرانی اور دنیا میں غلبہ اسلام کا سبب بنے۔

## (احتساب،Accountibility)

حضور نبی مہربان ﷺ کا فرمان ہے: جس کا آج اس کے گزشتہ کل سے بہتر نہیں ہوا وہ ہلاک ہو گیا'' اپنے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں۔ ایک عام مسلمان کی نسبت'' کارکن'' کے لیے احتساب اور محاسبہ زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ کارکن ایک تحریک، مشن اور دعوت سے منسلک ہونے کی وجہ سے دوہری ذمہ داریوں کا حامل ہوتا ہے جتنی بڑی ذمہ داری ہو اتنی زیادہ فکرمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دین کا کام دراصل نبوی ﷺ مشن کی تکمیل ہے اتنے عظیم کام کا ذمہ لے کر اگر انسان غفلت، کوتاہی، سستی اور کاہلی میں پڑ جائے تو نہ صرف اپنا بلکہ تحریک و تنظیم کا بھی نقصان ہوگا۔

دوسری طرف آگے کا سفر جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ طے شدہ سفر کا علم ہو، رفتار پیش نظر ہو، تو معلوم ہوگا کہ مزید رفتار کم کرنے یا بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ایک داعی کا لمحہ لمحہ قیمتی ہوتا ہے وقت اس کا اپنا نہیں بلکہ اللہ کی امانت ہے۔ اس کا درست استعمال کیے بغیر کسی مقصد کی تکمیل ناممکن ہے۔ محاسبہ کرتے ہوئے سب سے پہلے وقت کے استعمال پر نظر رکھی جائے۔ وقت کسی تنظیم، تحریک یا کارکن کا وہ اثاثہ اور سرمایہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ کوئی بھی کام بغیر مال، بغیر مکان اور جگہ کے تو ہوسکتا ہے مگر وقت کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوسکتا۔ وقت ایسی چیز ہے جو ادھار لی جاسکتی ہے نہ ہی لوٹ کر آنے والی چیز ہے۔ آپ کو کسی کام کے لیے رقم کی ضرورت ہے تو آپ چندہ کر کے فنڈ فراہم کر سکتے ہین حتی کہ قرض بھی لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح رقم آپ کے پاس ہے تو اس کو محفوظ بھی کیا جاسکتا ہے لیکن وقت نہ تو قرض لے سکتے ہیں نہ ہی وقت کو محفوظ کر سکتے ہیں اس لیے وقت کے معاملے کو ہمیشہ اہمیت کی نگاہ سے دیکھیں۔

عموماً ہمارے ہاں معاملہ برعکس ہوتا ہے ہم وقت کے ضیاع کا احساس کرتے ہیں نہ محاسبے میں وقت کو اہمیت دیتے ہیں جہاں ہم فنڈ اور مال کا احتساب اور آڈٹ کرتے ہیں وہیں ہمیں وقت کا آڈٹ کرنے کی بھی روایت ڈالنی چاہیے۔

حضرت امام غزالیؒ نے وقت کے احتساب کے حوالے سے بڑی اہم ترکیب سمجھائی ہے فرماتے ہیں:'' جب دن کا آغاز کرو تو اپنے نفس کے ساتھ تجارت کے انداز میں بات کرو کہ میں نے ۲۴ گھنٹے تیرے حوالے کئے ہیں اور تو نے انہیں اس طرح استعمال کرنا ہے یہ میرا اور تیرا معاہدہ ہے کل میں تجھ سے حساب لوں گا کہ تو نے ان چوبیس گھنٹوں کو کس طرح استعمال کیا۔''

رات کو سونے سے قبل گزرے دن کے واقعات اور کاموں کو ایک دفعہ یاد کیجیے کہ صبح جب میں اٹھا تھا تو میں نے فلاں کام کرنے تھے اب دن گزر گیا بستر پر دراز ہونے لگا ہوں تو وہ کام ہوئے یا نہیں۔

دن میں کون سا کام کرنے سے رہ گیا کتنا وقت فضول ضائع ہوا۔

یقین کیجیے آج ہر کارکن اگر اس انداز سے محاسبے کی عادت ڈالے تو نا صرف وقت کا صحیح استعمال ممکن ہوگا بلکہ دعوتی کام سمیت تنظیم کی طرف سے سونپے گئے ہر کام میں بہتری لائی جا سکے گی۔

وقت کے علاوہ تمام تنظیمی کاموں کے اختتام یا طویل دورانیے کے کاموں کے دوران ان کی رفتار، کامیابی نتائج اور فوائد وثمرات کا محاسبہ اور احتساب کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر کارکن کسی تربیتی یا دعوتی پروگرام میں شامل ہوتا ہے تو واپسی پر یہ تجزیہ کرے کہ اس نے اس پروگرام سے کیا سیکھا؟ اگر کہیں تنظیمی سفر پر جائے تو واپسی پر غور کرے کہ اس نے اپنے سفر میں کیا کھویا کیا پایا؟

## (آیئے اپنا محاسبہ کریں)

اس بات پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہے کہ اس پرفتن دور میں اس نے ہمیں دینی تنظیم کا کام کرنے کی توفیق دی ہے اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ اتنی بڑی سعادت ہے جس کا مقابلہ کوئی دنیاوی بڑے سے بڑا منصب بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جتنا بڑا کام اتنی بڑی ذمہ داری اس لیے کارکن کے جو اوصاف ماقبل بیان کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں آیئے ہم اپنے گریبان میں جھانکیں کہ وہ کون کون سی خوبیاں ہیں جو ایک نظریاتی کارکن میں ہونی چاہئیں لیکن ہم میں نہیں۔ اسی کو ذاتی محاسبہ کہتے ہیں۔ پھر جو خوبیاں ہمارے اندر ہیں ان کی بہتری کی فکر کے ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کریں نیز جو خوبیاں ہم میں ابھی تک نہیں پیدا ہو سکی ہیں ان کے بارے میں کوشش کریں کہ وہ بھی اپنائیں۔

ہر انسان خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ خوبیوں کے پیدا کرنے اور خامیوں کے کم کرنے کی فکر ایک کارکن کی اولین ذمہ داری ہے۔ تربیت اور تزکیہ کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ اس بات کا پتہ محاسبہ ہی کے ذریعے لگایا جا سکے گا کہ خوبیوں اور خامیوں کے گراف میں کہاں کمی آئی ہے اور کہاں بہتری کی ضرورت ہے۔

آپ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں کارکن کی حیثیت سے شریک ہیں تو ان اوصاف کو اپنانے کی فکر کریں اور یہ کام آج ہی سے شروع کریں آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں اس طرح نہ صرف وقت ضائع ہو گا بلکہ کام بھی پورا ہونا مشکل ہوگا۔ آج ہی ان اوصاف کی فہرست بنائیں اور ان کو اپنانے کے لیے جدوجہد شروع کریں پھر روزانہ شام کو سونے سے قبل گزرے دن کو سامنے رکھ کر محاسبہ کریں۔ یقین جانیں آپ بہت جلد اپنے اندر تبدیلی محسوس کریں گے۔

صحابہ کرامؓ جیسی مقدس شخصیتوں سے نسبت جوڑنے والے کارکن اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں اپنے کردار، اخلاق، نظریات اور اعمال کا جائزہ لیں۔ عصر حاضر میں مسلم امہ کے نوجوان کارکنوں میں ان

اوصاف کی موجودگی غلبہ اسلام کی نوید ثابت ہوگی۔ صحابہ کرامؓ کا اسوۂ ہمیں عمل پر ابھارتا ہے.....جہد مسلسل کی تعلیم دیتا ہے..... متحرک فعال اور منظّم ہونے..... آگے بڑھنے ..... اپنا محاسبہ کرنے.....اور ایک نظریاتی معاشرے کی تشکیل کا سبق دیتا ہے۔

امت مسلمہ کے نوجوانو! آگے بڑھو''اسوۂ صحابہؓ'' کو اپنا کرامت کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دو۔ بگڑتے ،فرسودہ ہوتے اور بے راہ روی پر گامزن معاشرے کا رخ اسلام کی طرف موڑ دو یہی عصر حاضر کی ضرورت ہے۔ یہی غلبہ اسلام کی راہ ہے۔ آج ہمارے وطن کو ایسے ہی اوصاف سے متصف جوانوں کی ضرورت ہے جو آنے والے کل اس کی قیادت سنبھالیں تو اس کو لوٹنے ،کمزور کرنے ، دوسروں کے آگے جھکنے کے بجائے اس وطن کو استحکام وترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں کردار ادا کریں۔

وطن عزیز کو ترقی واستحکام کی راہ پر گامزن کرنے والے،مغرب کے ذہنی غلام یا لادینیت و روشن خیالی کے رسیا نہیں.....اسوۂ صحابہؓ پر عمل کرنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ آگے بڑھئے اور نہ صرف خود بلکہ نسل نو کے ہر فرد میں ان اوصاف کو پیدا کرنے کی جدوجہد میں شرکت کیجیے۔ دامے، درمے، قدمے سخنے اس عظم کام میں حصہ ڈالئے۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو!

## (غلبہ اسلام)

غلبہ اسلام نبوی مشن ہے۔ حضور ﷺ ۲۳ سالہ دور نبوت میں آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدینؓ نے اپنے ادوار میں اور صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام اور اولیاء اللہ نے اپنے اپنے دور میں اپنی استطاعت وبساط کے مطابق اسی مشن کی تکمیل کے لیے جدوجہد کی۔ اسلام کے غلبہ کے لیے دعوت وتبلیغ ، درس وتدریس، وعظ ونصیحت ،تصنیف وتالیف اور شرعی جہاد کے ذریعہ جدوجہد کا سلسلہ چودہ سو سال سے جاری ہے اور یقیناً نبوی مشن کے تکمیل کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

اس نبوی مشن کی تکمیل کے لیے صرف صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کا ہی اگر مطالعہ ہم کریں تو تاریخ کے ہزاروں صفحات ان کے سنہری کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ صحابہؓ نے اسلام کے غلبہ کے لیے ہی کعبۃ اللہ ومسجد الحرام اور مسجد نبوی کی نمازیں چھوڑیں، اپنا گھر بار لٹایا، تپتی ریت ودھکتے انگاروں پر جلنا اور جلتے ہوئے انگوروں کے اندر کود نا برداشت کیا۔ کوڑے کھائے ، پھانسی پر چڑھے، تلوار، تیر اور نیزوں کے وار سہے، سینکڑوں ہزاروں میل پیدل سفر کیے، خشکی اور تری کا کوئی راستہ نہ چھوڑا چنانچہ آج بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عرب کے رہنے والے ان صحابہ کرامؓ کی قبریں افریقہ، ایشیا اور چین میں ملتی ہیں۔ اتنی طویل مسافت کسی دنیاوی مفاد کے لیے نہیں بلکہ صرف اور صرف غلبہ اسلام کے لیے طے کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ان ہی قربانیوں کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں۔ اگر صحابہ

کرامؓ دین اسلام کے غلبہ کے لیے قربانیوں کی انمٹ تاریخ رقم نہ کرتے تو آج ہم اس دین سے اسباب کے درجے میں محروم ہوتے۔

حضور ﷺ کی ختم نبوت اور صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے صدقے آج امت مسلمہ کے ہر فرد کے ذمہ ہے کہ وہ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں دامے، درمے، سخنے اپنا حصہ ڈالے۔ اگر آج ہم نے اپنے اس فریضے کی بجا آوری میں سستی کی تو آنے والی نسلیں قیامت کے دن ہمارا احتساب کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

اختتام